

تفسیر "فصل الخطاب" سے اقتباسات (حصہ پنجم)

<?xml encoding="UTF-8">

اعجاز قرآن کے مختلف رخ

اعجاز قرآن کے مزید چار پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہیں

نمبر (1) تاریخی حیثیت سے

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو کوئی ویسا فرض کر لے جیسا ان کے دشمن کہتے تھے کہ انہوں نے توریت اور انجیل کے مندرجہ واقعات افواہی حیثیت سے عام اشخاص سے سنے اور انہیں قرآن میں درج کر دیا۔ اسکا نتیجہ کیا ہونا چاہیئے تھا؟؟ یہ کہ توریت و انجیل میں جس طرح واقعات کا تذکرہ ہوا ہے۔ اس کے قرآن کے مندرجہ واقعات میں ایسے اضافے، اختلافات اور حواشی ہوتے، جن میں واقعیت کے متانت و استحکام کا پتہ نہ ہوتا اور افواہی باتوں کی خرافات آمیز داستانوں کا اثر بہت نمایاں ہوتا یعنی توریت و انجیل کے مندرجہ واقعات میں اگر خلاف عقل و فطرت اور منافق اصول دینیہ باتیں نہ تھیں تو اس میں نظر آتیں اور اگر تھیں تو اس میں بہت بڑھ جاتیں۔

لیکن جب ہم توریت و انجیل کے مندرجہ واقعات اور پھر قرآن مجید میں انہی واقعات کے تذکرہ کو دیکھتے ہیں تو یہ نظر آتا ہے کہ بائبل کے واقعات میں اس درجہ دورا ذکر اور خرافات آمیز روایات کی بہرمار ہے کہ کسی طرح عقل و مذہب کی رو سے انہیں صحت کی سند کا دیا جانا ممکن نہیں ہے اور قرآن انہی واقعات کو تمام ان خرافات اور دورا ذکر باتوں کو حذف کر کے ایسے صحیح اور موافق فطرت انداز سے پیش کرتا ہے جسے عقل اصلیت کی سند دینے پر مجبور ہے۔

ملاحظہ ہو توریت کتاب پیدائش فصل نمبر 4 میں حضرت آدم علیہ السلام کے ممنوعہ درخت سے تناول فرمانے کا قصہ اور اس میں جو کچھ دورا ذکر باتیں ہیں جن سے خدا کی طرف غلط بیانی اور فریب کاری کا الزام عائد ہوتا ہے۔ (معاذ اللہ)

فصل نمبر 15 میں ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ کہ انکو خدا کے وعدہ میں شک ہوا شام میں زمین عطا کئے جانے کے متعلق (معاذ اللہ)

اور

فصل نمبر 18/19 میں ملائکہ کے آنے کا تذکرہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس ولادت اسحاق علیہ السلام کی خوشخبری لے کر

اور

کتاب خروج فصل نمبر 3 میں خداوند عالم کا خطاب موسیٰ علیہ السلام سے درخت کے ذریعہ سے اور اسکا وہ ضمیمہ جس سے پتہ چلتا ہے کہ خدا کی تعلیم موسیٰ علیہ السلام کو شروع ہوئی تھی غلط بیانی کے سبق کے ساتھ۔

(معاذ اللہ)

اور

فصل نمبر 32 میں ہارون علیہ السلام کا قصہ کہ انہوں نے گوسالہ تیار کرایا تھا جو خدائے بنی اسرائیل کی حیثیت سے قرار دیا جائے اور انہوں نے اس کے لئے قربانی اور عبادت کے طریقے مقرر کئے تھے۔ (معاذ اللہ)

ان تمام واقعات کا ایک دفعہ توریت میں مطالعہ کیجئے اور دیکھئے کہ ان میں کیا کیا باتیں ایسی ہیں جو کسی طرح عقل و دین کی روشنی میں صحیح تسلیم کئے جانے کے قابل نہیں ہیں۔ جن سے جلال الہی اور طہارت انبیاء پر دہہ آتا ہے اور بہت سے اصول عقلیہ کو دھچکا پہنچتا ہے اور پہرانی واقعات کو قرآن مجید میں نکال کر ملاحظہ کیجئے معلوم ہوگا کہ قرآن مجید میں تمام وہ زوائد حذف ہیں جو مذکورہ بالا حیثیت سے ناقابل قبول تھے اور اسمیں تمام واقعات ایسے انداز سے بیان ہوئے ہیں جو کسی طرح شان حضرت الہی اور شاب انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے خلاف نہیں ہیں۔

ملحقات توریت میں جو واقعات مذکور ہیں وہ بھی کچھ کم افسوسناک نہیں ہیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی طرف انتہائی جزع و قزع اور خدا سے شکوہ بلکہ اس پر اعتراض کی نسبت۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف زنا کاری کی شرمناک نسبت، حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف کفر و شرک کے رواج دینے کی نسبت وغیرہ وغیرہ ایسے واقعات ہیں جو ایک لحظہ کے لئے بھی تسلیم نہیں کئے جاسکتے۔ (معاذ اللہ)

بلکہ توریت اور اسکے ملحقات میں مذکورہ بالا امور سے بڑھ کر بعض باتیں ملتی ہیں جیسے حضرت لوط علیہ السلام کی طرف شراب خوری اور نشہ شراب میں اپنی دونوں لڑکیوں کے ساتھ زنا کاری، حضرت یعقوب علیہ السلام کی خدا کے ساتھ کشتی، حضرت یعقوب علیہ السلام کی اپنے والد کے ساتھ فریب کاری، خدا کا مشورہ آسمانی فرشتوں کے ساتھ کہ آخاب بادشاہ بنی اسرائیل کو گمراہ کیا جائے اور اسکے علاوہ بہت سی باتیں جن سے پرانے عہد نامہ کے صفحات پورے طور پر مملو نظر آتے ہیں۔ (معاذ اللہ)

انجیل مقدس جو حضرت مسیح علیہ السلام کی تاریخ زندگی ہے اسمیں بھی اختصار و کمی صفحات کے باوجود حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف ایسے واقعات کی نسبت موجود ہے جو کسی طرح انکی شان کے لائق نہیں ہے جیسے شراب خوری، غلط بیانی، ماں اور بہائیوں کے ساتھ بداخلاقی اور نامحرموں کے ساتھ اخلاق سوز بے باکی۔ (معاذ اللہ)

بلاشبہ قرآن مجید کے زمانے میں اور اس سے قبل انبیاء و مرسلین کے تاریخی معلومات کے لئے یہود و نصاریٰ کی تعلیمات کے سوا کوئی سرچشمہ نہ تھا اور توریت و انجیل ہی کے مندرجات تھے جو احبار، یہود و قسیسین نصاریٰ کی نوک زبان تھے۔

تو رسول اسلام صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اگر ان تعلیمات کو یہود و نصاریٰ کے علماء سے حاصل کیا ہوتا تو وہ تمام خرافات جو انکی کتابوں میں تھے اس حد تک تو آپ (ص) کے یہاں بھی ملتے جو عام عیسائی علماء کے یہاں از قبیل مسلمات تھے اور اگر آپ (ص) انکو صرف افواہی حیثیت سے صرف عوام کی زبانی سن کر نقل کرتے جیسا کہ عام عیسائی مؤلفین ظاہر کرنا ضروری سمجھتے ہیں تو عام نظام عادت کے مطابق اسمیں توریت اور انجیل کے اصل مندرجات سے بدرجہا زیادہ خرافات اور دواذکار کی باتیں آجاتیں لیکن اسکے برخلاف ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن نے ان واقعات کو جو بائبل میں واقعیت کی شان کے بالکل خلاف تھے بالکل ذکر ہی نہیں کیا اور جن واقعات کا بائبل نے ذکر کیا انکو ان تمام اضافوں سے الگ کر کے جو اس واقعہ کو واقعیت کی حدود سے الگ پہنکنے کے ذمہ دار تھے۔

اس سے ایک غیر جانبدار انسان کی عقل کو صاف اس نتیجہ تک پہنچنا چاہیئے کہ درحقیقت واقعات کی مسخ شدہ صورت وہ تھی جو توریت و انجیل میں رائج ہوگئی تھی اور خدائے قدوس نے جسکا کام بندگان خدا کی ہدایت ہے اپنے اس رسول (ص) کو جو خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہے ان تمام صحیح واقعات کی اصل صورت میں تعلیم دی تاکہ توریت و انجیل میں پڑی ہوئی خرابیوں کی اصلاح ہو جائے اور گمراہ کن خیالات کا جو جلال الہی اور شان انبیاء علیہم السلام کے منافی واقعات کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں قلع قمع اور آئیندہ کے لئے سدباب ہو جائے۔

نمبر (2) استدلالی حیثیت سے

قرآن کے محل نزول پر غور کیجئے عرب کی جہالت، کفر و شرک کا دور دورہ، گمراہی کی شدت، عقلوں کی کوتاہ نگاہوں کی ظاہر بینی، علوم و فنون سے اجنبیت اور منطق و فلسفہ سے بالکل ناشناسی، اس سب کو دیکھئے اور پھر قرآن مجید کے معارف و حقائق سے بھری ہوئی آیات کا مطالعہ کیجئے، ان آیات کے عمق کو دیکھئے باریک بین، دقیق فلسفی نگاہوں سے ان کے معانی پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ وہ کس کا کلام ہے اور ذہن فیصلہ کرے گا کہ عقل و عادت، فطرت و طبیعت کی رو سے اس طرف میں پیدا ہونے والے کسی انسان کا کلام نہیں ہو سکتا۔ اس کے ساتھ بائبل کے ان استدلالوں پر نظر ڈالئے جو حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف منسوب کئے گئے ہیں تو محسوس ہوگا کہ ان طریقوں سے اثبات مطلب کی ناکام کوشش کسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شایان شان نہیں ہے۔ یہاں تک کہ بعض مقامات پر تعداد "الہ اور شرک" تک کا نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ ایسی کمزوریوں سے قرآن "منزہ و مبرا" ہے۔

نمبر (3) تشریعی حیثیت سے

اسکا عام ذہن پورا اندازہ تو نہیں کر سکتے مگر بہت سے صحیح ذوق اور پختہ عقل رکھنے والے افراد جنہوں نے دنیا کے قوانین و اصول انتظامی کا انتقادی نظر سے مطالعہ کیا ہے موازنہ کر کے دو قسم کی تعلیموں میں اتنا ضرور سمجھ سکتے ہیں کہ ان میں سے کون روح انتظامی کے ساتھ زیادہ موافق اور مفاد اجتماعی کے مطابق اور کہاں تک عملی ہے اور فطرت کے ساتھ سازگار اس کے علاوہ اسکا سمجھ لینا تو ہر شخص کے لئے آسان ہے کہ کس قانون میں جامعیت پائی جاتی ہے اور شخصی و نوعی، انفرادی و اجتماعی ہر قسم کے احکام پر حاوی ہے۔ بلاشبہ قرآن مجید کے نزول کے زمانہ میں ایک شریعت موجود تھی "شریعت موسویہ" جو یہود و نصاریٰ کے نزدیک مسلم تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف نسبت رکھنے والا ایک آئین تھا جو اگرچہ اس اعلان کی بناء پر کہ زمین و آسمان ٹل جائیں مگر شریعت موسیٰ علیہ السلام کا ایک شوشہ بھی نہیں ٹل سکتا۔ شریعت موسوی کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں ہونا چاہیئے لیکن وہ عملی طور پر شریعت موسویہ کے خلاف ایک مستقل چیز بن گیا تھا۔

اس کے علاوہ ایران میں زردشتی مذہب کی تعلیمات تھیں اور زردشت کی ایک مستقل شریعت تھی جو زندہ

حیثیت رکھتی تھی اور ہزاروں آدمیوں کو اپنا پابند بنائے ہوئے تھی۔

کوئی بھی دین اگر اساسی حیثیت سے صحیح ہے تو اس کی شریعت کے اجزاء اصلی یقیناً وہی ہوسکتے ہیں جو خدائے قدوس کے نازل کردہ ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ بعد کی تراش خراش نے ان میں تبدیلی کردی ہو اور طرح طرح سے مسخ کر دیا ہو۔

شریعت موسوی اور عیسوی اسکی یقینی مثال ہے

زردشت کے متعلق چونکہ قرآن نے نبوت کی گواہی نہیں دی ہے لہذا اسے قطعی حیثیت حاصل نہیں ہے لیکن قرائن اور بعض اخبار و آثار کی بناء پر بہت سے لوگ نبوت کے قائل ہیں جسکی نفی کے لئے بھی قطعی کوئی وجہ نہیں ہے۔

اس صورت میں اگر ان شریعتوں میں کچھ ایسے احکام موجود ہوں جو قرآنی احکام کے ساتھ متحد ہیں تو اس میں کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے لیکن دیکھنے کا امر یہ ہے کہ قرآن میں ان مشترک احکام سے بہت زیادہ اور زندگی کے بہت سے ایسے شعبوں کے متعلق کتنے ایسے احکام و قوانین ہیں جنکا مذکورہ بالا شریعتوں میں صراحتہ وجود کے ساتھ اشارہ بھی نہ تھا۔ اس سے بے لوث ضمیر کو اس نتیجہ پر پہنچنا چاہیئے کہ شریعت کو طویل عمر زمانہ کی ضروریات کے مطابق اسی خدا نے نازل کیا ہے جس نے ان شریعتوں کو ان کے محدود زمانہ کے لحاظ سے محدود احکام پر مشتمل نازل کیا تھا اور اسی لئے آخر عمر دنیا تک اسمیں تبدیلی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

نمبر (4) اخلاقی حیثیت سے

بلاشبہ علم اور تربیت کا انسان کے اخلاق پر بڑا اثر پڑتا ہے جہالت اور علوم صحیحہ سے ناواقفیت بڑی سے بڑی بداخلاقوں کا سرچشمہ ہوتی ہے اور اخلاق کی جان جو کچھ بھی ہے وہ ملکات نفسیہ اور قوائے طبعیہ میں اعتدال کے نقطہ کی پابندی اور افراط و تفریط سے کنارہ کشی ہے۔

بڑے بڑے معلم کی تعلیمات اس وقت بے قیمت ہیں جب وہ یا تو تفریط کی وجہ سے اس حد تک کمزور ہوں کہ ان سے امن و انتظام اور تحفظ و تہذیب و شائستگی کا مقصد حاصل ہی نہ ہوتا ہو اور یا افراط کے لحاظ سے اس درجہ زیادہ ہوں کہ وہ نفسانی فطرت کے تقاضوں کی بناء پر کبھی ممنون عمل بن ہی نہ سکیں۔

توریت اور انجیل مروجہ کی اخلاقی تعلیمات کی نوعیت انہی دونوں راستوں میں تقسیم ہے۔ اول الذکر افراط اور ثانی الذکر تفریط کے لحاظ سے اعتدال سے علیحدہ ہیں۔

لیکن قرآن مجید کی تعلیم ہر شعبہ حیات میں حد وسط کا درجہ رکھتی ہے۔ وہ افراط و تفریط دونوں سے مبرا ہے اور اس لئے ہر شخص کے لئے ممکن العمل اور تہذیب و شائستگی کی تکمیل کا ذریعہ ہے۔

یہ خصوصیت بھی قرآن مجید کی وہ ہے جو اسکو تمام کتب ادیان میں ممتاز درجہ عطا کرتی ہے اور اس کے ساتھ جب عرب کی جہالت اور رسول عربی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ماحول کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے گا تو ماننا پڑے گا کہ وہ الہامی حیثیت رکھتی ہے اور یقیناً خداوند عالم کی جانب سے نازل شدہ ہے۔

کسی کتاب کی خوبی یہ ہے کہ وہ ایسی صاف اور سادہ زبان میں ہو کہ پڑھنے والا لکھنے والے کے مطلب کو سمجھ سکے۔

سوال یہ ہے کہ پڑھنے والا کون؟؟ ہر پڑھنے والا خواہ وہ زبان داں ہو یا غیر زبان داں سمجھ دار ہو یا ناسمجھ؟؟ حاضرالذہن ہو یا پریشان دماغ؟؟

اگر بلاغت کا معیار یہ ہے اور کسی کتاب کی خوبی یہی ہے تو عالم امکان میں کوئی کتاب بلکہ کسی متکلم کا ایک جملہ بھی اس معیار پر ٹھیک نہیں اترتا۔

جب تک دنیا میں زبانیں مختلف ہیں جب تک دل و دماغ کی طاقتیں جداگانہ ہیں، جب تک سننے والوں کی کیفیتوں میں اختلاف ہے اس وقت تک تو یہ ناممکن ہے کہ کسی کلام سے ہر پڑھنے والا پورا فائدہ اٹھا سکے اسلئے کم از کم آپکو یہ قید تو لگانا ہی پڑے گی کہ جس زبان میں وہ کلام ہے اس زبان کے واقف کار اس کلام کو سمجھ سکیں اور اس قید کے لگانے کی وجہ سے ہی قرآن کی اس آسانی سے اردو داں طبقہ کی محرومی ظاہر ہے۔

خود ایک زبان میں مختلف مقامات کے محاوروں اتنا فرق ہوتا ہے کہ ایک کلام سب کیلئے مساوی نہیں ہوسکتا۔ مختلف شہروں کی زبان جدا ، شہر اور دیہات کی زبان بالکل الگ الگ، بلند اور سفید پوش طبقہ اور بازاری لوگوں کی زبان علیحدہ اور مردوں ، عورتوں کی زبان مختلف ہوتی ہے۔ اس لئے زبان کے اکثر فقرے ایسے ہوں گے جو کسی لحاظ سے آسان اور کسی لحاظ سے مشکل ہوں۔ نتیجہ صاف ہے کہ سب کے لئے انکی آسانی قائم نہیں رہ سکتی۔ اب نہیں سمجھا جا سکتا کہ بلاغت کے مذکورہ معیار پر وہ کون سا کلام ہوگا جو بلیغ کہا جاسکے۔

کہا جاسکتا ہے کہ بلیغ کلام وہ ہے جو مخصوص مخاطبین کے لحاظ سے جنکو براہ راست متوجہ کر کے وہ کلام کیا جارہا ہے دشوار گزار نہ ہو مگر اس صورت میں یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ وہ ہر شخص کے لئے آسان ہی ہوگا اور کسی کو اسکے سمجھنے کے لئے شرح اور تفسیر کی ضرورت نہ ہوگی۔

پھر اگر قرآن کی وہ حیثیت ہے جیسا کہ معترض نے کہا ہے کہ وہ لیکچروں کا مجموعہ اور ان لیکچروں کے ضمن میں جو خاص سوالات ہوتے ہیں انکا جواب بھی ہے تو بالکل ظاہر ہے کہ لیکچر کے ماحول حاضرالوقت اشخاص کے معیار فہم اور سائلین کی ذہنیت کا لحاظ ضروری ہے یہی بلاغت کا حقیقی تقاضا ہے اس سے عمومی آسانی کا نتیجہ کہیں برآمد ہوسکتا ہے۔

اس پر غور کرلیجئے کہ زبان میں زمانہ کے امتداد سے کتنے انقلابات ہوجاتے ہیں۔ قرآن کی تنزیل کو تقریباً ساڑھے چودہ سو برس ہوئے ہیں غیرممکن ہے کہ اس مدت میں تمام محاورات اپنی اصل حالت پر باقی رہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ موجودہ زمانہ کے خالص عرب اہل زبان بھی قرآن کے معانی کو صرف اپنی زبان دانی کے بھروسے پر نہیں سمجھ سکتے بلکہ انہیں بھی قدیم محاورات عرب کے تتبع، قدیم ذخیرہ ادب پر عبور اور آیات و احادیث کے مختلف استعمالات میں غوروخوض کی ضرورت ہے اور اس لحاظ سے قرآن کے لئے بھی بالکل آسان نہیں ہے۔

اسکے علاوہ جہاں تک فصاحت اور سلامت کا تعلق ہے وہ الفاظ کے لغوی معانی اور کلام کے عرفی مفہیم ہوسکتے ہیں لیکن جو کسی خاص شعبہ کے اصطلاحات ہوتے ہیں وہ بہر حال اس شعبہ کے ماہرین کی

تشریح پر موقوف ہوں گے۔

قرآن ایک خاص شریعت کا ترجمان بن کر آیا تھا۔ اسلئے اسمیں اس قسم کے الفاظ اور معانی کی کمی نہیں ہے۔ صلوٰۃ، زکوٰۃ، صیام، خمس، انفال، جہاد وغیرہ سب اصطلاحی الفاظ ہیں۔ انکی تشریح ہرگز صرف زبان دانی کی بناء نہیں ہوسکتی اس کے لئے ماہرین شریعت کی تفسیر کی ضرورت ہوگی۔ اس صورت میں کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ قرآن بالکل آسان ہے اور اسے ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔

پھر اب غور کیجئے کہ کلام کا مشکل ہونا جو بلاغت کے خلاف ہے اور جسکے لحاظ سے کلام آسان ہونا چاہیئے وہ کیا ہے؟؟

اسکا مطلب صرف یہ ہے کہ کلام میں عام اصول محاورہ کے خلاف کوئی ایسا الجھاؤ جسکی وجہ سے اصول محاورہ سے واقف اہل زبان اسکے معانی نہ سمجھ سکیں خواہ وہ الجھاؤ ترکیب نحوی کے لحاظ سے ہو۔ اسکو اصطلاحاً 'تعقید لفظی' کہتے ہیں یا بعید از ذہن استعارات و کنایات کے استعمال سے ہو اسکو 'تعقید معنوی' کہتے ہیں یا الفاظ ایسے صرف کئے گئے ہوں جنکے اس مفہوم کے لئے جو متکلم نے مراد لیا ہے عام طور پر فصحاء اہل زبان کچھ دوسرے الفاظ استعمال کرتے ہیں اور ان الفاظ سے وہ واقف نہیں ہیں اسکو " غرابی " کہتے ہیں۔ لیکن اگر کلام بجائے خود اصول محاورہ کے مطابق ہے اور انہی الفاظ پر مشتمل ہے جو اسکے دور ورود میں فصحاء کی زبانوں پر چڑھے ہوئے تھے مگر اب ہمارے لئے مشکل ہے اس وجہ سے کہ ہم اس زبان سے اس دور کی زبان کی خصوصیات سے ناواقف ہو گئے ہیں تو اس طرح مشکل ہونا ہرگز کلام کا عیب نہ ہوگا بلکہ ہمارا نقص ہوگا کہ ہم اسکے سمجھنے کے لائق نہیں ہیں۔

اسکے بعد یہ دیکھئے کہ ایک ہوتے ہیں کلام کے لفظی معانی ، یہ تو ایک کلام سے جو کہ سلیس زبان میں ہے ہر زبان داں جو ان محاورات سے واقف ہو سمجھ لے گا اور اگر نہ سمجھے تو خیر مان لیجئے کہ کلام کا نقص ہے لیکن ایک ہوتے ہیں وہ مطالب جو لفظی معانی کی تہوں میں پوشیدہ ہوتے ہیں جنکا نتیجہ یہ ہے کہ جتنا غور کیا جائے اتنے نتائج اور حقائق کلام سے زیادہ منکشف ہوتے جائیں۔ یہ وہ چیز ہے کہ جو متکلم کی بلندی اور قابلیت کے لحاظ سے گہری ہوتی چلی جاتی ہے اور کلام کے اس حیثیت سے سمجھنے کے لحاظ سے انسانی جماعت کا مجمع اتنا ہی چھٹتا جاتا ہے جتنے بلند متکلم کا وہ کلام ہے۔

اب اگر یہ صحیح ہے کہ قرآن ایک غیر معمولی درجہ کا کلام ہے تو ضرور اسمیں یہ بلندی موجود ہوگی اور یقیناً انسانی دماغ کی ایک بلند سطح ہی وہ ہوگی جو اسکے معانی و نکات کا اچھی طرح ادراک کرسکے۔ اور اگر اسمیں یہ بات نہیں ہے اور وہ بالکل ہی سطحی باتوں پر مشتمل ہے جنکو ہر معمولی انسان پوری طرح سمجھ لیتا ہے اور اسکے آگے اسمیں کچھ نہیں ہے تو یہ آسانی یقیناً اسکا نقص ہے۔

معجزہ اور اثبات حقانیت

یہ امر ایک حد تک محل بحث رہا ہے کہ معجزہ سے کسی نبی کی سچائی پر کیونکر روشنی پڑتی ہے؟؟ بہت سے لوگ معجزہ کی حقیقت کو صرف ایک غیر معمولی عجیب و غریب کرتب میں منحصر سمجھ کر یہ کہہ دیتے ہیں کہ ایسی باتیں تو اکثر جادوگر، شعبدہ باز بھی پیش کردیتے ہیں یا بعض غیر معمولی طاقت کے انسان اکثر ایسے کام کرتے ہیں جن سے عام افراد قاصر نظر آتے ہیں تو کیا انمیں سے ہر ایک کو معجزہ سمجھا جائیگا اور اگر نہیں تو اس میں اور معجزات انبیاء میں کیا فرق ہے؟؟

یہ سوال حقیقۃً دلیلِ اعجاز کے متعلق ناسمجھی پر مبنی ہے

اعجاز کی بنیاد ایک باریک خصوصیت پر ہے جسکی وجہ سے ایک قسم کا عجیب و غریب مظاہرہ ایک مدعی نبوت کے لئے دلیلِ اعجاز اور سببِ ثبوتِ نبوت ہوتا ہے اور اسی قسم کا مظاہرہ ایک ساحر اور جادوگر کا یا کسی غیر معمولی انسان کا کوئی مخصوص کمال اسکا معجزہ نہیں ہوتا اور دلیلِ نبوت قرار نہیں پاتا۔

غور سے ملاحظہ ہو حضرت حق عزاسمہ حکیم علی الاطلاق نقص و عیب سے بری اور ظلم و دروغ باطل کی حمایت سے بلند و برتر ہے اس کے دامنِ حکمت پر کسی باطل پروری اور ناحق کوشی کی حمایت کا دھبہ نہیں پڑسکتا۔

ہمارے ایسے عام افراد میں کوئی ہماری جانب سے ایک غلط بات کی اشاعت کرے ہمارا نام لے کر کسی غلط امر کا ادعا کرے اور ہناری طرف سے کوئی شناختِ ثبوت میں پیش بھی کرے جس سے عام اشخاص کا دھوکا کھا جانا اصولِ فطرت کے لحاظ سے حق بجانب ہو تو ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم حقیقت کا اظہار اور واقعیت کا اعلان کردیں اور اپنی ذمہ داری کو اس سلسلہ میں پورا کریں۔

ایک گندم نما جو فروش، ریاکار و ظاہر دار، زہد و تقویٰ کا بیوپاری اور بناوٹی ورع و تقویٰ کا دوکاندار میری طرف سے اجازہ اجتہاد یا پیش نمازی میرے جعلی دستخط اور مہر سے بنا کر اطراف و جوانب، شہر و دیہات میں جاتا خلق خدا کی گمراہی کا سامان مہیا کرتا ہے۔ اس صورت میں لوگوں کا تو یہ فرض بنتا ہے کہ جب وہ میری طرف نسبت دے کر اپنی اشتہاری پیش نمازی یا اجتہاد کی دعوت دے تو وہ اس سے دلیل اور سند کا مطالبہ کریں لیکن جب اس نے اس مطالبہ کے جواب میں دستخطی و مہری سند پیش کردی تو عوام کا فرض ختم ہو چکا اب اگر مجھے اطلاع ہو تو میرا فریضہ یہ ہے کہ میں اسکا اعلان کردوں کہ یہ میرے دستخط اور مہر نہیں ہیں میری طرف اُن کی نسبت غلط ہے اور اگر میں سکوت کرتا ہوں تو اس کے معانی یہ ہوں گے کہ میں اس کے دعویٰ کی تصدیق کرتا اور عملی حیثیت سے اسکی تائید کرتا ہوں۔

اب میرے یہاں تو یہ ممکن ہے کہ میں باوجود اس فریضہ کے عاید ہونے کے اپنے فرض کو محسوس نہ کروں یا احساس ہونے کے باوجود کسی روپہلی، سنہری مصلحت کی وجہ سے اس فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کر کے حمایتِ باطل اور گمراہیِ خلق کی ذمہ داری اپنے سر لے لوں لیکن خداوندِ عالم کے یہاں تو یہ ممکن نہیں ہے۔ جب خدا کی طرف سے ایک شخص نے کسی منصب کا دعویٰ کیا جو رہنمائی اور پیشوائیِ خلق کی نوعیت رکھتا ہے مثلاً اسنے اظہار کیا کہ مجھے خدا نے نبوت و رسالت کے شرف سے ممتاز کیا اور سفارت کے عہدہ جلیلہ سے سرفراز کیا تو عامہ خلایق کا فرض ہے کہ وہ اس سے دلیل کا مطالبہ کریں اور ثبوتِ نبوت کے لئے ایسی کسی خاص بات کے پیش کرنے کی خواہش کریں جس سے دوسرے قاصر ہیں۔ اب اگر اسنے عام انسانوں کے طاقت و اقتدار سے بالاتر اور عام بشری دائرہ قدرت سے باہر کوئی ایسا امر پیش کر دیا جس سے انسانی کمال کا ہاتھ کوتاہ نظر آیا اور اس نے کہا کہ یہ طاقت مجھے خدا کی طرف سے عطا ہوئی ہے اور یہ میری سچائی کا ثبوت ہے۔

اسکے بعد اگر خدا ہمارے جیسا شخص ہوتا جس پر بے خبری اور سہو و نسیان وغیرہ کا امکان ہوتا تو ممکن ہے عرصہ تک اسکی خاموشی بے خبری کے سبب حق بجانب قرار پاسکتی لیکن عالم و حکیم خدا حاضر و ناظر خدا اور نظام کائنات کا مدبر خدا اگر اسکے بعد خاموش رہا یعنی اس کے دعویٰ کو برقرار رھنے دیا اس طرح کہ نہ اس کے ادعائے بے مثالی کو توڑنے کے لئے خود اسکی طاقت سلب کی اور نہ اسکے مقابلہ کسی دوسرے کو طاقت عطا کی تو سمجھنا پڑے گا کہ اسنے اسکی نمائندگی کا امضا، سفارت کا اقرار اور عہدہ کی تائید اور اسکے

دعوائے نبوت و رسالت وغیرہ کی عملی طور پر تصدیق کردی ہے جسکا لازمی تقاضا یہ ہے کہ وہ سچا صاحب منصب ہے اگر ایسا نہیں تو اللہ پر حمایتِ باطل، گمراہی خلق اور پامالی حق کا الزام آتا ہے جو کسی طرح اسکی شان جلال و کمال کے لئے جائز نہیں ہے۔

اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ معجزہ میں جو روح اعجاز دوڑتی ہے وہ اس روحانی پیشوائی کے دعویٰ کی بناء پر ہے جو قدرت نمائی کا انتساب خدا کی طرف کردیتا ہے اور جسکے بعد خالق پر ذمہ داری عاید ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر کوئی ایسا دعویٰ نہیں ہے تو لاکھ عجائبات پیش کرے اور حیرت انگیز کام انجام دے ہر موقع پر اللہ کا یہ فرض تھوڑی ہے کہ ہر بات کے مقابلہ میں ایک بات اور ہر چیز کے جواب میں ایک چیز پیش کرتا رہے آخر اس صورت میں یہ سلسلہ کہیں پر ختم بھی تو ہوگا تو وہ آخری چیز لاجواب ہی ہوگی کیونکہ اسکی کوئی مثال موجود ہی نہ ہوگی۔

ان عجیب مظاہروں، حیرت انگیز کرتبوں اور تعجب خیز کارگزاریوں سے جب خدا پر کوئی ذمہ داری عاید نہیں ہوتی تو ان عجیب کارناموں کا برقرار رہنا کسی خاص حقیقت کی دلیل قرار نہیں پاتا۔ مذکورہ بالا بیان کی بناء پر معجزہ کی بنیاد حسب ذیل ارکان پر ہے جنکے بغیر کوئی چیز معجزہ سمجھی نہیں جاسکتی۔

نمبر (1)

منصب روحانی مثلاً نبوت کا ادعاء

نمبر (2)

غیر معمولی امر ہونا جو اس حلقہ میں کہ جو دعوائے منصب کا مخاطب ہے تمام افراد کے دائرہ اقتدار سے باہر ہو اسلئے کہ اگر ایسا امر ہوا جس پر دوسرے اشخاص بھی قدر رکھتے ہیں تو وہ کسی مرتبہ و عہدہ کی دلیل نہیں بن سکتا۔

نمبر (3)

اس دعویٰ کے بعد کسی ایسے شخص کا پیدا نہ ہونا جو اس دعویٰ کو توڑ کر اسے باطل کر سکے۔

نمبر (4)

حالات اور خصوصیات کی بناء پر کسی ایسے امر کا موجود نہ ہونا جو اس مدعی نبوت کے دعویٰ کا قطعی بطلان کرنے کے لئے کافی ہو۔ اسلئے کہ اگر ایسا ہوا یعنی کوئی ایسا امر پایا گیا جو اسکے دعویٰ کو باطل ثابت کرنے

کے لئے کافی ہو۔ جیسے: مستند تسلیم شدہ نبی سابق کا اعلان کہ میرے بعد آنے والا مدعی نبوت غلط گو ہوگا یا یہ اعلان کہ میرے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے یا خود اس شخص کا جو مدعی منصب ہے فاسق و فاجر اور اپنی سابقہ زندگی کے لحاظ سے بالکل ناکارہ ہونا جس کے ساتھ اسکا بعہدہ نبوت وغیرہ منتخب قطعی دلائل عقلیہ اور خداوند عالم کے مواعید یقینیہ کے خلاف ہے تو ایسے شخص کا مدعی ہونے کے ساتھ کسی غیر معمولی امر کا اظہار بھی اسکی نبوت کے ثبوت کے لئے کافی نہیں ہے اس لئے کہ ثبوت نبوت تو خداوند عالم پر ذمہ داری عاید ہونے کی بنیاد پر تھا اور یہاں اسکی ذمہ داری نبی سابق کے اعلان یا ان قطعی دلائل سے جو ایسے شخص کی نبوت کے منافی ہیں پوری ہو چکی ہے جو خدا کی طرف سے حجت تمام ہونے اور خلق کو گمراہی سے محفوظ رکھنے کے لئے کافی ہے۔ لہذا اب خداوند عالم کو اس مدعی نبوت کے دعویٰ کو خصوصی طور پر کسی طریقہ سے باطل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

معجزہ کا سحر اور غیر معمولی انسانی کمالات سے تفرقہ

معجزہ کے ارکان میں سے پہلا اور تیسرا رکن وہ ہے جو معجزہ کو سحر اور جادو سے الگ کر دیتا ہے یقیناً جادو میں بھی ایک حیرت انگیز صورت کا مظاہرہ ہوتا ہے لیکن یا تو اس کے ساتھ دعوائے نبوت وغیرہ ہوتا نہیں اس لئے خداوند عالم پر کوئی ذمہ داری عاید نہیں ہوتی یا اگر دعوائے نبوت و رسالت کے ساتھ یا کسی سچے نبی کے دعوائے نبوت اور معجزہ کے مقابلہ میں ہو تو اللہ اس کے ابطال کا سامان پیدا کر دیتا ہے جیسا کہ ساحرانِ فرون کے قصہ میں واقع ہوا۔

بہت سے وہ اشخاص جنہوں نے حقیقتِ معجزہ اور دلیلِ اعجاز پر غور نہیں کیا ہے اعجازِ نبوت کے مقابلہ میں بہت سے اشخاص کے ذاتی کمالات کو پیش کر دیتے ہیں۔ مثلاً یہ کہتے ہیں کہ قرآن بحیثیت فصاحت و بلاغت اگر اس لئے معجزہ ہے کہ اسکا مثل کوئی نہیں لا سکا تو بہت سے علمی و ادبی آثار مختلف ادباء کے مختلف زبانوں میں ایسے ہیں جن کی مثل و نظیر اب تک باوجود کوشش و کاوش کے وجود میں نہیں آسکی۔ جیسے: شاہنامہ فردوسی اور گلستان سعدی، اردو میں مثنوی میر حسن اور مرثیہ میر انیس، انگریزی میں شیکسپیئر وغیرہ کے آثارِ قلمی اور ادبی کارنامے اس کا جواب مذکورہ بالا بیانات سے ظاہر ہے۔

اول تو مذکورہ مظاہرات کا موقع ظہور اس وقت ہے کہ جب ختمِ نبوت کے اعلان اور آئمہ دین کے نام بنام تعین نے کسی مدعی منصبِ الہی کے لئے دروازہ بند کر دیا ہے۔ اس لئے چوتھے رکن کی بناء پر دلیلِ اعجاز مکمل نہیں ہے اور ان مظاہرات سے حقیقتِ اعجاز پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ پھر یہ کہ فردوسی، سعدی، میر حسن اور شیکسپیئر وغیرہ کے کارناموں کے ساتھ کوئی دعویٰ وابستہ نہیں ہے جس کے ابطال کی اللہ کو ضرورت ہو۔ دنیا میں مختلف طرح کے کلام ہوتے ہیں کچھ معمولی کچھ غیر معمولی، اللہ کو کیا لازم ہے کہ وہ ہمیشہ ان کاموں میں ناکامی پیدا کرتا رہے آخر یہ دل و دماغ بھی تو اسی کے خلق کردہ ہیں جن سے یہ غیر معمولی کارنامے ہو رہے ہیں پھر وہ اپنی پیدا کی ہوئی صلاحیتوں کے جوہروں کو روبکار آنے سے کس لئے مانع ہو؟؟؟ سحر بھی عالمِ اسباب کے ماتحت ہے دنیا میں جتنے اسباب کارفرما ہیں سب اللہ کے خلق کردہ ہیں یہ اور بات ہے کہ بعض اسباب سے کوئی خاص کام لینے میں عام حالات میں اس نے روکا ہو۔ چنانچہ سحر ایسی ہی چیز ہے جو ممنوع قرار دی گئی ہے لیکن اسے بے اثر بنانا ہر حال میں اللہ پر لازم ہو اسکی کوئی وجہ نہیں ہے۔

جب ہم کہتے ہیں کہ غیر معمولی چیز یا خارقِ عادت تو اس کے معانی یہ ہوتے ہیں کہ وہ اس عام دستور کے خلاف ہے جو ہماری آنکھوں نے قانونِ قدرت کے ماتحت عام طور سے دیکھا ہے لیکن اکثر عام اسباب کے سلسلہ میں نتائج ایسے غیر معمولی ہو جاتے ہیں جن کو دنیا بے مثال کہنے پر مجبور ہوتی ہے۔ ایک طبیب بعض اوقات ایسے مریضوں کو اچھا کر دیتا ہے جن جا اچھا ہونا اس کے قبل دنیا نے نہیں دیکھا تھا۔ ایک انشاء پرداز بسا اوقات ایسی تحریر لکھ دیتا ہے جس کی نظیر اس سے پہلے آنکھوں کے سامنے نہیں آئی تھی۔ ایک شاعر بسا اوقات ایسا شعر کہہ جاتا ہے جیسا شعر اس سے قبل نہیں ہوا تھا ایک کاتب کے ہاتھ سے بسا اوقات ایسے نقوش نکک جاتے ہیں جن کے مثل آنکھوں نے پہلے نہیں دیکھے تھے۔

ہو سکتا ہے کہ اس طبیب، انشاء پرداز، شاعر یا کاتب کو اپنے اس نتیجہ عمل پر پورا بھروسہ بھی ہو اور وہ دنیا کو دعوت بھی دے کہ اگر کوئی میرا مدِ مقابل ہو تو اس کے مثل بنا کر پیش کرے۔

سعدی اپنی گلستان پر، یاقوت مستعصمی اپنے کتبوں پر اور میرانیس اپنے مرثیوں پر بجاطور سے فخر کر سکتے تھے اور بے نظیر ہونے کا دعویٰ بھی اپنی حدود میں درست تھا۔ اللہ کو کیا ضرورت کہ وہ انمیں سے ہر ایک کے دعویٰ کو غلط ثابت کرے۔ اس لئے کہ بہر حال وہ نتیجہ کمال ہے اسی کی خلق کردہ ایک مخلوق کا اور اسی کی عطا کردہ طاقتوں کا کرشمہ ہے۔ وہ اگر اس کے دعوائے کمال کو باطل کرنے کے لئے ایک کو پیدا کرے تو پھر ضرورت ہے کہ اسکی بے مثالی باطل کرنے کے لئے ایک اور پیدا کیا جائے اور پھر اس کے لئے تیسرا، یہ سلسلہ چلتا رہے تو کہیں پر تو ختم ہو ہی گا تو جو آخر میں ہوگا اس کا دعویٰ پھر لاجواب رہے گا۔

پھر اگر پہلے صاحبِ کمال ہی کے ادعائے بے مثالی کو برقرار رہنے دیا جاتا تو کیا حرج تھا۔ لہذا بلاشبہ ہر دور میں ایسی قابلیت کے اشخاص پیدا ہو سکتے ہیں جنکی ایسی قابلیت ان کے غیر میں مفقود ہے اور ایسے کمال کے نمونے سامنے آسکتے ہیں جنکا مثل و نظیر موجود نہ ہو۔

مگر یہ سب اسی وقت ٹھیک ہے جب تک اس کے ساتھ کوئی دعویٰ کسی خداوندی منصب کا نہیں ہے لیکن اگر کوئی اپنے نتیجہ کمال جو یہ کہہ کر پیش کرے کہ اللہ نے مجھے اس عہدہ پر مقرر کیا ہے اور یہ میرا کارنامہ اسکا ثبوت ہے تو اللہ پر لازم ہے کہ وہ کسی کو اتنی قوت عطا کر دے کہ وہ اس کے خلاف مظاہرہ کر کے باطل کر دے۔

"قرآن معجزہ" ہے اس لئے کہ وہ ثبوتِ نبوت میں پیش کیا گیا ہے اور پھر دنیا کو دعوت دی گئی ہے کہ اگر وہ اس رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی رسالت میں شک رکھتی ہے تو اس کی مثال پیش کرے۔ اس کے بعد بھی جب دنیا قاصر رہی تو معلوم ہوا کہ وہ حقیقۃً انسانی طاقت سے خارج خدا کی خاص قوت و قدرت کا کرشمہ مخصوص امتیاز اور روحانی اختصاص ہے اور یہ "معجزہ" ہے جسے ثبوتِ نبوت کے لئے خالق نے اپنے رسول آخر الزماں صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو عطا کیا ہے۔